درس ۹

اثباتِ آخرت کیلئے قرآن کا استدلال

سورۃ القیامہ کی روشنی میں

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس ان صفحات میں جاری ہے اس کا درس نہم سورۃ القیامہ پر مشتمل ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ دُور کوعوں اور چالیس آیات پر مشتمل ہے اور قرآن حکیم کے انتیسویں پارے کے آخری رُبع میں شامل ہے۔ مصحف کی ترتیب کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کا نمبر ۷۵ ہے۔

سورۃ التغابن پر ان دروس کی تکمیل ہو چکی ہے جن میں ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت کا بیان جامعیت کے ساتھ آیا ہے' لیکن چونکہ ہمارے دین کے اعتقادی نظام میں' یا یوں کہہ لیجئے کہ اسلام کی فکری و نظریاتی اساسات میں قیامت پر ایمان اور آخرت پر یقین کو بہت اہمیت حاصل ہے' لہٰذا مناسب سمجھا گیا کہ ایک درس خاص اسی موضوع پر اس منتخب نصاب میں شامل کیا جائے' اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ قیامت اور آخرت کے موضوع پر قرآن حکیم کی نسبتاً چھوٹی سورتوں میں جامع ترین سورت سورۃ القیامہ ہے۔

آخرت پر ایمان کی خصوصی اہمیت

اس سے قبل کہ ہم اس سورۂ مبارکہ کے مضامین اور مطالب پر غور کریں' ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالآخرت کی اہمیت کے بارے میں چند تمہیدی باتیں نوٹ کر لی جائیں۔

قیامت اور آخرت پر ایمان کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کے ہر پڑھنے والے کو باآسانی ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ قرآن حکیم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں آخرت کا ذکر خفی یا جلی انداز میں موجود نہ ہو۔ چنانچہ مصحف کے ہر صفحے پر کسی نہ کسی اسلوب سے بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب کتاب، جزا و سزا اور جنّت و دوزخ میں سے کسی نہ کسی کا ذکر لازماً موجود ہے۔

جن مقامات کا مطالعہ ہم اس سلسلۂ درس میں کر چکے ہیں اگر ہم ان کا سرسری جائزہ لیں تو بادنیٰ تامّل نظر آجائے گا کہ ان میں سے ہر ایک میں آخرت کا ذکر موجود ہے۔ ہمارا پہلا درس سورۃ العصر پر مشتمل تھا۔ اس میں ایک جامع اصطلاح کے طور پر "ایمان" کا ذکر آیا، لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں تھی۔ البتہ دوسرے ہی درس میں، جو سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۷ پر مشتمل ہے اور جسے ہم نے "آیۂ بِر" سے موسوم کیا تھا، ایمانیات کی تفصیل کے ضمن میں ایمان باللہ کے فوراً بعد یوم الآخر پر ایمان کا ذکر ہے: ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ "بلکہ حقیقی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخر پر۔"

ہمارا تیسرا درس سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل تھا۔ اس میں ایک تو قانونِ مجازات و مکافاتِ عمل کا ذکر ہے جو بڑے جامع الفاظ میں حضرت لقمان کی وصیت میں آیا ہے:

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝﴾ (آیت ۱۶)

"اے میرے پیارے بچے! (اس حقیقت کو ذہن نشین کر لے کہ) انسان کے عمل کو (خواہ وہ نیکی ہو یا بدی) خواہ وہ رائی کے دانے کے ہم وزن ہو، پھر خواہ وہ کسی غار یا چٹان کے اندر چھپ کر کیا جائے، خواہ وہ فضاؤں اور خلاؤں میں جاکر یا زمین کی گہرائیوں میں اتر کر کیا جائے، اللہ اس کو (جزا و سزا کے دن) لے آئے گا۔ اور بے شک اللہ بہت باریک بین ہے، باخبر ہے۔"

اس کے علاوہ اسی رکوع میں ایک جگہ یہ الفاظ آئے : ﴿اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ۝﴾ (آیت ۱۴) "میری ہی طرف لوٹنا ہے۔"

اگلی آیت کے آخر میں الفاظ آئے :

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝﴾

"پھر میری ہی طرف تم سب کو آنا ہے' پھر میں تم سب کو جتلادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔" (آیت ۱۵)

ہمارا چوتھا سبق سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ پر مشتمل تھا' جس میں اہل ایمان کے لئے ان کی استقامت کا انعام جنّت کی شکل میں دینے کا وعدہ فرمایا گیا اور اس ضمن میں ارشاد ہوا :

﴿وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ۝﴾ (آیت ۳۱)

"اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہ سب کچھ بھی ہو گا جسے تم طلب کرو گے"۔

پانچواں درس اساس القرآن سورۃ الفاتحہ پر مشتمل تھا' اس میں ایک عظیم آیتِ مبارکہ اسی حقیقتِ کبریٰ کے اظہار کے لئے وارد ہوئی' یعنی ﴿مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۝﴾ "جزا و سزا کے دن کا مالک"

چھٹا سبق سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ پر مشتمل تھا' اس میں آپ نے دیکھا کہ کس شدّ و مدّ کے ساتھ آخرت کا ذکر آیا :

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ۝﴾

"اے ہمارے رب! تو نے یہ سلسلۂ کون و مکاں فضول اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے' تو پاک ہے' منزّہ ہے اس سے کہ کوئی بے مقصد اور عبث کام کرے' پس اے ہمارے آقا! ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیجئو۔ یقیناً جس کو تو نے دوزخ میں ڈال دیا اسے تو

بالکل ذلیل اور رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہو گا۔"

ذرا آگے چل الفاظ آئے : ﴿وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ "اور (اے ہمارے رب!) ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجئو"۔ پھر مزید آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو ان الفاظ میں اطمینان دلایا :

﴿لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ﴾

"میں لازماً ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور ان کو لازماً ان باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں۔"

اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور اخروی جزا و سزا کے یقینی ہونے پر کتنا زور ہے۔

اس کے بعد درس ہفتم یعنی سورۂ نور کے پانچویں رکوع میں قیامت کے دن کی ہولناکی کا نقشہ ان الفاظ میں سامنے آیا :

﴿يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝﴾

"(اللہ کے نیک اور محبوب بندے) لرزاں و ترساں رہتے ہیں' اس دن کے خیال سے جس دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے۔"

درس ہشتم یعنی سورۂ تغابن میں تو بلاشک و شبہ یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا' چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کی تیسری آیت ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے : وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ "اور اسی (اللہ) کی طرف لوٹ جانا ہے۔" پھر ساتویں آیت میں پہلے تو منکرین قیامت کا یہ اعتراض یا مغالطہ نقل کیا گیا : ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا﴾ "ان منکرین کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ انہیں اٹھایا نہ جائے گا۔" پھر نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا :

﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ﴾

"اے نبی! کہہ دیجئے : کیوں نہیں! مجھے میرے پروردگار کی قسم ہے کہ تم لازماً اٹھائے جاؤ گے اور پھر تمہیں لازماً جتلا دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔"

اور ذرا آگے چل کر فرمایا :

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾

"جان لو کہ وہ دن' جس دن وہ تمہیں جمع کرے گا جمع ہونے کے دن ـــ وہ ہے اصل ہار جیت کے فیصلے کا دن!"

یعنی اس روز جو کامیاب قرار دیا گیا وہی اصلاً کامیاب و کامران ہوا ـــ پھر اس کامیابی کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی گئی کہ :

﴿. . . يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا' ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝﴾

"....اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہی دراصل بڑی کامیابی ہے۔"

اس کے برعکس جو ناکام قرار پائے گا اور نامراد رہے گا اس کے انجامِ بد کا بیان اگلی آیت میں وارد ہوا :

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا' وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝﴾

"اور جن لوگوں نے کفر و انکار کا راستہ اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے وہی لوگ دوزخ والے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔"

اس سرسری سے جائزہ سے اندازہ ہو گیا کہ اب تک ہم نے جن معدودے چند مقامات کا مطالعہ کیا ہے ان میں بھی کس قدر شدّ و مدّ کے ساتھ بعثِ بعد الموت' قیامِ قیامت اور آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا ذکر آچکا ہے۔ یہاں ایک نکتہ اور بھی نوٹ کر لیا جائے کہ قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر یہ اہم تقابل سامنے آتا ہے کہ جہاں دوسرے ایمانیات کے لئے لفظ ایمان آیا ہے' وہاں آخرت کے لئے عموماً لفظ یقین استعمال ہوا ہے' جیسے سورۃ

البقرہ کے آغاز میں وحیِ الٰہی اور کتبِ سماویہ پر ایمان کا ذکر تو ان الفاظ میں آیا کہ :

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾

"اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر بھی جو (اے نبیؐ!) آپؐ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا۔"

لیکن آخرت پر ایمان کا ذکر ہوا ان الفاظ کے ذریعے کہ ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝﴾ "اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بالآخرت میں وہ گہرائی اور شدّت مطلوب ہے جسے ہم "یقین" سے تعبیر کرتے ہیں!

یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اصولی' نظری اور علمی اعتبار سے ایمان اصل میں نام ہے ایمان باللہ کا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ "ایمان مجمل" میں صرف ایمان باللہ کا ذکر ہے :

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

"میں ایمان لایا اللہ پر جیسے کہ وہ اپنے اسماء اور صفات سے ظاہر ہے' اور میں نے قبول کئے اس کے جملہ احکام' میں اقرار کرتا ہوں زبان سے اور تصدیق کرتا ہوں دل سے۔"

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت دونوں ایمان باللہ کی فروع ہیں۔ چنانچہ ایمان بالآخرت اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کا مظہر ہے اور ایمان بالرسالت اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کا تکمیلی ظہور ہے' لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اگر عملی اور اخلاقی اعتبار سے غور کیا جائے تو سب سے مؤثر ایمان' ایمان بالآخرت ہے' اس لئے کہ اگر آخرت کا یقین ہو گا' مرنے کے بعد محاسبہ کے لئے جی اٹھنے کا یقین ہو گا' جزا و سزا کا یقین ہو گا' جنت و دوزخ کا یقین ہو گا تو انسان کے رویّے میں عملی تبدیلی لازماً آئے گی اور اگر ایمان بالآخرت میں کمی رہ گئی تو ایمان باللہ بھی ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی ایک علمی بحث بن کر رہ جائے گا اور ایمان بالرسالت بھی عشقِ رسول ﷺ کے محض زبانی دعوؤں کی صورت اختیار کر لے گا اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور

اتباع کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس مقام پر ضمناً یہ بھی جان لیجئے کہ قانونی' فقہی اور شرعی اعتبار سے اہم ترین ایمان' ایمان بالرسالت ہے۔ چنانچہ ایمان باللہ اسی وقت معتبر ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ کو ان اسماء و صفات کے ساتھ مانا جائے جن کی خبر حضرت محمد ﷺ نے دی ہے اور ایمان بالآخرت بھی تب ہی معتبر ہو گا جب بعثِ بعد الموت' حشر و نشر' حساب کتاب' وزنِ اعمال' جزا و سزا اور جنت و دوزخ کی ان تفاصیل کو مانا جائے جن کی خبر حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔

اس بات پر زور دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ بدقسمتی سے کچھ عرصہ سے ہمارے یہاں خود کو مسلمان کہلانے والا عقلیت زدہ لوگوں کا ایک مختصر سا گروہ یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ آخرت حقیقی اور واقعی نہیں ہے بلکہ محض ایک نظریہ اور تصور ہے جس سے اصل مقصود دنیا میں عدل و انصاف کا قیام ہے' چنانچہ جنّت و دوزخ اور جزا و سزا کا جو تصور قرآن مجید دیتا ہے اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کی معاشرتی' سماجی' سیاسی' معاشی الغرض پوری اجتماعی زندگی عدل و قسط پر قائم ہو جائے اور انسان دنیا میں امن و سکون کے ساتھ بہتر سے بہتر طریق پر زندگی بسر کر سکے۔ یہ خیال اپنی اصل کے اعتبار سے خالص گمراہی اور زندقہ ہے۔ آخرت ہرگز صرف تصور اور محض نظریہ نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ ہے جو لازماً ظہور پذیر ہو گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر مختلف اسالیب سے اس بات پر زور دیا گیا ہے' جیسے مثلاً سورۃ الذاریات میں فرمایا : ﴿اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝ وَاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ۝﴾ "جس (قیامت و آخرت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ بالکل برحق ہے' سچ ہے اور جزا و سزا لازماً واقع ہو کر رہے گی" یا جیسے سورۃ المرسلات میں فرمایا : ﴿اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۝﴾ "جس چیز کی دھمکی تمہیں دی جا رہی ہے وہ لازماً واقع ہو کر رہے گی۔" (یعنی نری دھمکی اور خالی دھونس نہیں ہے!) جو لوگ آخرت کو محض ایک تصور اور نظریہ قرار دے کر یہ امید بھی کرتے ہیں کہ اس سے اس دنیا میں عدل و قسط پر مبنی ایک اجتماعی نظام وجود میں آ سکتا ہے وہ ایک شدید مغالطے میں مبتلا ہیں' اس لئے کہ محض تصور و نظریہ سے یہ مقصد ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ انسان کی سیرت' اس کے کردار' اخلاق اور اعمال و معاملات پر

واقعی اور عملی اثر محض آخرت کے تصور یا نظریہ کا نہیں بلکہ صرف یقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ایمان ہی کا پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک معاشرہ میں آخرت پر قلبی یقین رکھنے والے لوگ معتدبہ تعداد میں موجود ہوں گے تو اس کی برکت سے اور اس کے نتیجے میں اس دنیا میں مبنی بر عدل و قسط اجتماعی نظام بھی لازماً وجود میں آئے گا۔ لیکن ایمان بالآخرت کا اصل مقصود صرف ہماری دنیوی بہبود نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مطلوب محاسبۂ اخروی میں سرخرو اور کامیاب و کامران ہونا ہے اور یہ نصب العین ہماری دنیوی فلاح و بہبود اور امن و سلامتی سے اس طرح مربوط و متعلق ہے کہ آخرت کی وہ تفاصیل جو قرآن اور حدیثِ رسولؐ میں بیان ہوئی ہیں ان پر قلبی یقین اور اس کے مطابق اس دنیا میں اپنے رویئے اور عمل کی اصلاح و تعمیر کے بغیر نہ دنیا میں نظامِ عدل و قسط قائم ہو سکتا ہے اور نہ اخروی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ الغرض یومِ قیامت ایک اٹل اور شدنی امر ہے اور آخرت ایک حقیقتِ کبریٰ ہے اور اس کا حتمی اور یقینی علم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے ہمیں پیشگی عطا فرمادیا ہے تاکہ ہمارے تمام اعمال کا اصل محرک اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اخروی نجات بن جائے، جس کے لئے قرآن حکیم دو ٹوک انداز میں ہمیں آگاہ اور متنبہ کرتا ہے :

﴿ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ○ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ○ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ○ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ○ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ○ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ○ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ○ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ○ ﴾ (النازعات : ۳۴-۴۱)

"پس جب قیامت کا ہنگامۂ عظیم برپا ہو گا، اور جو کچھ انسان نے دنیا میں کیا ہے اس دن وہ اس کو یاد کرے گا، اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے سامنے بے نقاب کر دی جائے گی، تو جس نے دنیا میں سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر مقدم رکھا تھا، اس کا ٹھکانہ تو بس دوزخ ہی ہے، اور جو اپنے رب کے حضور محاسبہ کے لئے پیشی سے ڈرا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا رہا تھا تو لاریب اسکا ٹھکانہ جنت ہے"۔

انکارِ آخرت کی مختلف صورتیں

یہ بات بھی جان لیجئے کہ انکارِ قیامت اور انکارِ آخرت کی متعدد شکلیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ منکرین کا ایک استبعاد اور استعجاب تو وہ ہے جو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے' اس کی صرف دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ سورۂ ق میں فرمایا :

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝﴾

"(یہ کافر کہتے ہیں) کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے (تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے!)"

سورۂ یٰس میں جسے نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا قلب قرار دیا ہے' ارشاد ہوتا ہے :

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝﴾ (آیات ۷۷' ۷۸)

"کیا انسان نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا' بایں ہمہ وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن کر کھڑا ہوگیا اور لگا ہماری نسبت باتیں بنانے اور اپنی اصل حقیقت کو بھول گیا' کہتا ہے کہ کون (آدمی کی) ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں!"

یہیں پر اگلی آیت میں فرمایا :

﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝﴾ (آیت ۷۹)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا وہی ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور سب خلق اس کے علم میں ہے"۔

یہ تو منکرین کا استعجابی انداز سے انکار کا ذکر ہوا' ایک صاف اور صریح انکار بھی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی جی اٹھنا نہیں ہے' کوئی آخرت نہیں ہے۔ زندگی بس اس دنیا ہی کی

زندگی ہے۔ اس کو الحاد اور دہریت کہا جاتا ہے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ صرف عہدِ حاضر کی ضلالت ہے' اس خیال کے لوگ اُس وقت بھی موجود تھے جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا' چنانچہ ان کا قول سورۃ الجاثیہ میں نقل ہوا ہے :

﴿ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ﴾ (آیت ۲۴)

"اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی زندگی سوائے ہماری اس دنیا کی زندگی کے' ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے سوائے گردشِ افلاک کے۔"

اس قول میں انکارِ آخرت ہی نہیں' اللہ کا انکار بھی بین السطور موجود ہے۔ یہ خالص الحاد و دہریت ہے جس کا پورا خلاصہ قرآن حکیم کی اس ایک آیت میں نقل کر دیا گیا ہے۔

انکار کی ایک تیسری شکل یہ ہے کہ نہ انکار ہو نہ اقرار' لیکن ظاہر ہے کہ اس کا عملی نتیجہ وہی نکلتا ہے جو صریح انکار کا! قرآن مجید میں یہ شکل بھی کچھ لوگوں کے اس قول کی صورت میں بیان ہوئی ہے کہ :

﴿ .... إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ۝ ﴾

"آخرت کا کچھ گمان سا تو ہوتا ہے کہ شاید واقع ہو لیکن اس پر ہمارا دل نہیں ٹھکتا' یقین حاصل نہیں ہوتا۔" (الجاثیہ : ۳۲)

ظاہر بات ہے کہ جب یہ شکل ہو گی تو انسان کا رویّہ اور اس کا طرزِ عمل ان ہی لوگوں کے مشابہ اور مطابق ہو گا جو آخرت کو نہیں مانتے' اگرچہ منطقی طور پر یہ نہ صریح انکار ہے' نہ واضح اقرار!

سب سے زیادہ خطرناک صورت یہ ہے کہ بظاہر پورے طور پر اقرار موجود ہو لیکن اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں مانی گئی ہوں جن کے نتیجے میں یہ اقرار اور یہ ایمان بالآخرت بالکل غیر مؤثر ہو جائے اور اس کا انسان کے عمل اور اس کے اخلاقی رویّے پر کوئی صحت مند اور صالح اثر مترتب نہ ہو۔ اس کی بھی تین شکلیں قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں —— سب سے پہلے شفاعتِ باطلہ کا تصور ہے کہ آخرت ہو گی تو سہی' لیکن ہماری کچھ

دیویاں اور دیوتا ہیں 'یا کچھ مقربین بارگاہِ خداوندی ہیں جو ہمیں وہاں سے چھڑا لیں گے :
﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے۔"
ظاہر ہے کہ اس شکل میں بھی آخرت کا ماننا نہ ماننا برابر ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہاں شفاعتِ باطلہ کا ذکر کیا جا رہا ہے ' نہ کہ اس شفاعتِ حقّہ کا جس کا ثبوت قرآن اور حدیث دونوں سے ملتا ہے اور جو تین شرائط سے مشروط ہے ـــــ یعنی اولاً یہ کہ یہ اسی کی جانب سے ہو گی جسے بارگاہِ خداوندی سے اِذن مل جائے ' پھر اسی کے حق میں ہو گی جس کے لئے اجازت ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مبنی بر حق و انصاف ہو گی ' نہ کہ عدل و قسط کے تقاضوں کو پامال کرنے والی۔

قرآن حکیم میں آخرت کے اس انکار مع الاقرار کی دوسری شکل یہ بیان ہوئی ہے کہ کچھ مرفّہ الحال اور دولت مند لوگ اپنی دولت مندی اور آسودہ حالی کو اپنے اس زعم کی دلیل بنا لیتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے چہیتے ہیں ' لہٰذا ہم پر اس دنیا میں بھی اللہ کا فضل ہو رہا ہے چنانچہ اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے ' شرف و عزت سے نوازا ہے ' لہٰذا اگر آخرت واقع ہو ہی گئی تو وہاں بھی ہم شرف و عزّت پائیں گے ' قطع نظر اس سے کہ ہمارے اعمال کیا ہیں! سورۂ کہف میں دو افراد کے مکالمہ کے ضمن میں ایک ایسے ہی بر خود غلط شخص کا قول نقل ہوا ہے کہ :

﴿وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝﴾
"(اول تو مجھے یقین ہی نہیں ہے کہ اللہ کی طرف لوٹنا ہے) لیکن اگر بالفرض مجھے اپنے پروردگار کی طرف لوٹا ہی دیا گیا تب بھی اس نے جو کچھ مجھے یہاں دیا ہے وہاں وہ مجھے اس سے بھی بہتر دے گا۔" (آیت ۳۶)

یہی بات سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ایک دوسرے اسلوب سے بیان فرمائی گئی ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے :

﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ ' وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ' فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا

عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ (آیت ۵۰)

"(انسان کا حال یہ ہے کہ) ہم جب اسے اپنی رحمت سے (آسودگی سے) نوازتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا حق ہے ہی، رہی قیامت تو اول تو مجھے یہ گمان اور اندیشہ ہے ہی نہیں کہ وہ واقع ہونے والی ہے، تاہم اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا ہی دیا گیا تو بھی میرے لئے وہاں اچھائی ہی اچھائی ہوگی۔"

اس انکار مع الاقرار کی تیسری و آخری شکل جو سب سے زیادہ لطیف لیکن اتنی ہی زیادہ خطرناک بھی ہے، یہ ہے کہ شیطان انسان کو اللہ کی شانِ رحیمی اور شانِ غفّاری کے حوالے سے دھوکہ دیتا ہے کہ وہ بڑا بخشن ہار ہے، بڑا نکتہ نواز ہے، لہٰذا وہ تمہیں معاف کر ہی دے گا۔ سورۃ الحدید میں تفصیلاً ذکر ہے کہ آخرت میں منافقین پکار پکار کر اہل ایمان سے کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ بحیثیتِ مسلمان شامل نہ تھے، پھر یہاں ہمیں تم سے کیوں جدا کر دیا گیا؟ تو اہل ایمان سے جواب دلوایا جائے گا کہ تم بظاہر تو مسلمان تھے لیکن اعمال کے اعتبار سے اور ایمان، بالخصوص ایمان بالآخرت کے لحاظ سے تم نے اپنے آپ کو ریب و تشکک اور تربّص و تردّد میں مبتلا کر رکھا تھا۔ آیتِ مبارکہ کے آخری الفاظ ہیں :

وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (آیت ۱۴)

"اور تم کو تمہاری تمناؤں (پر مبنی من گھڑت خیالات) نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا (یعنی مہلتِ عمر تمام ہوئی) اور تمہیں خوب دھوکہ دیا اللہ پر (یعنی اس کی شان رحیمی و غفاری کے حوالے سے) اس بڑے دھوکہ باز (یعنی شیطانِ لعین) نے!"

مزید برآں آخری پارے کی ایک عظیم سورۃ یعنی سورۃ الانفطار کا تو مرکزی مضمون یہی ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ "اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔" اس لئے کہ جہاں وہ کریم ہے، رحیم ہے، غفور ہے وہاں وہ عادل و منصف بھی ہے اور "قائم بالقسط" بھی،

اور "شَدِیدُ العِقَاب" بھی ہے اور "سَرِیعُ الحِسَاب" بھی! حتیٰ کہ "عَزِیزٌ ذُوانتِقَام" بھی ہے یعنی زبردست اور شدید انتقام لینے والا۔ (اے اللہ! ہم تیری اس شانِ انتقام سے تیری ہی رحمت کے دامن میں پناہ کے طالب ہیں!)

پس انکارِ آخرت کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔ یہاں ان کا اختصار کے ساتھ تجزیہ اس لئے کردیا گیا ہے کہ ہم بھی اپنے ذہنوں کا بھرپور جائزہ لیں اور اپنے دلوں کو ٹٹولیں۔ مبادا ہمارے قلوب و اذہان اور فکر و نظر میں بھی اس قسم کے بے بنیاد وسوسوں اور موہوم خیالات کا عکس موجود ہو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ بظاہر ہم مطمئن ہوں کہ ہم آخرت کے ماننے والے ہیں لیکن غیر محسوس طور پر ہمارے تحت الشعور میں اس قسم کے مغالطے موجود ہوں جن کا اس درس میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہ تمام باتیں جو اَب تک پیش کی گئی ہیں تمہیدی نوعیت کی ہیں۔ البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور اہم بات بھی اس موقع پر اجمالاً عرض کردی جائے اور وہ یہ کہ قیامت سے مراد کیا ہے؟ اس دنیا کا خاتمہ یا پوری کائنات کا خاتمہ؟؟ اس ضمن میں قرآن حکیم میں تین مراحل کا ذکر آتا ہے۔ ایک اس دنیا میں اور اس کے نوامیس و قوانین کے خاتمے کا مرحلہ ہے۔ دوسرا بعث بعد الموت کا مرحلہ ہے جس سے حیاتِ اخروی کا آغاز ہوگا اور جزاو سزا کے فیصلے نافذ ہوں گے۔ تیسرا اس پوری کائنات کے آخری انجام کا مرحلہ ہے۔ تدبّرِ قرآن کے ضمن میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ قرآن حکیم زیادہ تر گفتگو پہلے دو مرحلوں کے بارے میں کرتا ہے۔ تیسرے مرحلے کے بارے میں کوئی تفصیلی وضاحت قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، چنانچہ اس کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے! پہلے مرحلے کو قرآن مجید بہت سے ناموں سے موسوم کرتا ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ کثیرالاستعمال لفظ "السَّاعَة" ہے' یعنی وہ متعین گھڑی جب ایک بڑی ہل چل مچے گی' ایک بہت بڑی تباہی آئے گی' دنیا کا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا' اجرامِ فلکیہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے مانند ہو جائیں گے۔ یہ نقشہ ہے "السَّاعَة" کا۔ اسی کو القَارِعَة' الحَاقَّة' الطَّامَّةُ الکُبریٰ اور الصَّاخَّة وغیرہ جیسے الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا مرحلہ ہے بعث بعد الموت کا' جس کے بعد

تمام اولین و آخرین اور کُل جِنّ و اِنس عدالتِ اخروی میں حساب کتاب کے لئے پیش ہوں گے۔ قرآن حکیم کے متعدّد مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر کا وہ دن نہایت طویل بھی ہوگا اور حد درجہ ہولناک بھی' جیسے کہ سورۂ مزّمّل میں فرمایا : ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝﴾ "وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔" اور ہمارے ایک سابقہ درس میں (سورۂ نور' آیت ۳۷) میں یہ الفاظ آچکے ہیں کہ ﴿يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ "وہ دن جب دل اور نگاہیں سب کے سب الٹ جائیں گے!" اس کے لئے بھی قرآن مجید میں متعدّد الفاظ آتے ہیں' چنانچہ اسے "یَوْمُ الدِّین" بھی کہا گیا ہے اور "یَوْمُ الفَصْل" بھی' پھر اسی کو "یَوْمُ التَّغَابُن" بھی قرار دیا گیا ہے اور "یومُ الحِساب" بھی' لیکن اس کے لئے سب سے زیادہ کثیرالاستعمال نام "یَوْمُ القِیَامَة" ہے' یعنی کھڑے ہونے کا دن' جس کی وضاحت ایک دوسرے مقام پر (سورۃ المطفّفین) میں ان الفاظ سے کی گئی ہے :

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

"وہ دن جس میں تمام انسان پروردگارِ عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے!"

قرآن کا عمومی اسلوب' مکّی اور مدنی سورتوں کا فرق

سورۃ القیامہ کے بارے میں چند تعارفی اور تمہیدی باتوں کے بعد اب ہمیں اس سورۂ مبارکہ کے مطالب و مفاہیم پر غور کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے مناسب ہے کہ پہلے یک نظر اس پوری سورت کے سلیس اور رواں ترجمہ پر ڈال لیں' جو حسب ذیل ہے :

"نہیں! میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں! مجھے قسم ہے نفس ملامت گر کی۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم قادر ہیں اس پر کہ اس کی ایک ایک پور کو (ٹھیک جوڑ دیں اور) برابر کر دیں۔ بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) انسان اپنے فسق و فجور کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ پوچھتا ہے کب ہوگا قیامت کا دن؟ ـــــ تو جب نگاہ چندھیا جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا ـــــ اور سورج اور چاند یکجا کر دیئے جائیں گے ـــــ تو اس دن

کہے گا یہی انسان کہ کہاں ہے بھاگ جانے کی جگہ؟ ـــــ کوئی نہیں! کہیں ٹھکانا نہیں! اُس روز تو تیرے رب ہی کے حضور میں جا ٹھہرنا ہے۔ اُس روز جتلا دیا جائے گا ہر انسان کو ہر اس چیز کے بارے میں جو اس نے آگے بھیجی اور جو پیچھے چھوڑی۔ بلکہ انسان خود اپنے بارے میں (پورے طور سے) آگاہ ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے۔ (اے نبی ﷺ) آپ اس قرآن کے ساتھ تیزی سے اپنی زبان کو حرکت مت دیجئے کہ اسے جلدی سے حاصل کرلیں۔ تحقیق ہمارے ذمے ہے اس کو جمع کرنا بھی اور اس کو پڑھوانا بھی۔ پس جب ہم پڑھوائیں تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کیجئے۔ پھر بلاشبہ ہمارے ہی ذمے ہے اس کی مزید تشریح اور توضیح بھی۔ کوئی نہیں! بلکہ (تمہارا اصل مرض یہ ہے کہ) تم لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو۔ اور آخرت کو نظر انداز کردیتے ہو! بہت سے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوئے ـــــ اور بہت سے چہرے اس دن سوکھے اور اداس ہوں گے اور یہ گمان کررہے ہونگے کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا سلوک ہونے والا ہے ـــــ کوئی نہیں! جب جان ہنسلیوں میں آپھنسے گی' اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟ اور انسان یہ سمجھ لے گا کہ اب (دنیا سے) جدائی کا وقت آگیا ہے۔ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ اُس روز تیرے رب ہی کی طرف ہانکے جانا ہے۔ پس نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ بلکہ جھٹلایا اور پیٹھ موڑلی۔ پھر چل دیا اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا۔ افسوس ہے تجھ پر' پس افسوس ہے تجھ پر۔ پھر افسوس ہے تجھ پر' پس پھر افسوس ہے تجھ پر ـــــ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا نہیں تھا وہ منی کی ایک بوند جو ٹپکائی گئی؟ ـــــ پھر وہ تھا ایک لوتھڑا جسے اللہ نے بنایا اور سنوارا۔ پھر اسی میں سے بنا دیئے جوڑے' نر اور مادہ ـــــ کیا وہ ہستی اس پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کرسکے؟" (یقیناً اے ہمارے رب! تو اس پر قادر ہے اور ہم اس پر گواہ ہیں!)

اس سورۂ مبارکہ کا جو مجموعی تأثر اور اس کے مضامین کا جو اجمالی نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں قیامِ قیامت اور جزا و سزا کے لئے مثبت استدلال کو تو صرف دو قسموں کی صورت میں بیان کردیا گیا ہے' البتہ منفی طور پر منکرینِ قیامت کے موقف کا ابطال قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے اور ان کے اعتراضات اور دلائل کی قلعی

کھول دی گئی ہے۔ چنانچہ ایک طرف ان کے استعجاب اور استبعاد کو دور کرنے کے لئے اللہ کی اس قدرتِ کاملہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے جس کا سب سے بڑا مظہر خود انسان کی اپنی پیدائش ہے اور دوسری طرف منکرین قیامت کی گمراہی کا اصل سبب بھی بیان کردیا گیا اور ان کے مرض کی اصل تشخیص بھی کردی گئی، یعنی حُبِّ عاجلہ (دنیا کی محبت) میں گرفتار اور فسق وفجور اور ظلم وتعدّی کا خوگر ہو جانا، جس کی بناء پر انسان حساب کتاب اور جزاء وسزا کے تصور تک سے بھاگتا ہے اور اس کبوتر کی مانند جو بلّی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے، نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ قیامت، حشر ونشر، حساب کتاب اور جزاء و سزا کے تصور سے اپنے موجودہ عیش کو مکدر کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان چاہے زبان سے کچھ کہے، اس کے انکارِ قیامت کا اصل سبب وہی ہے جو اس سورۂ مبارکہ میں ﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝﴾ "بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے فسق وفجور کو جاری رکھنا چاہتا ہے" اور ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝﴾ "کوئی نہیں! بلکہ تم لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو" کے الفاظ مبارکہ میں بیان ہوا۔ ضمنی طور پر ایک نہایت لطیف پیرائے میں یہ حقیقت بھی کھول دی گئی کہ دعوتِ دین اور ابلاغ وتبلیغ حتیٰ کہ تحصیلِ علم کے معاملے میں بھی "عُجلت پسندی" مناسب نہیں ہے۔

یہ تو اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا اجمالی تجزیہ ہوا۔ اب مناسب ہے کہ اس سلسلہ وار مطالعہ سے قبل قرآن حکیم کے عمومی اسلوب اور اس کی مکی اور مدنی سورتوں کے مزاج کے فرق کے ضمن میں بعض باتیں بطور تمہید عرض کردی جائیں جو ان شاء اللہ فہم قرآن بالخصوص تدبّرِ قرآن کے ضمن میں کلید کا کام دیں گی۔

قرآن مجید کے عمومی اسلوب کے بارے میں یہ بات جان لینی از حد ضروری ہے کہ قرآن حکیم عام دنیوی تصنیفات کی مانند نہیں ہے۔ ہماری تصانیف اور تالیفات کا اپنا مخصوص انداز ہوتا ہے، ایک خاص ترتیب ہوتی ہے اور ایک معین نہج ہوتا ہے۔ چنانچہ اس میں ابواب ہوتے ہیں اور ہر باب میں مضمون کا ایک حصہ مکمل ہو جاتا ہے، پھر اس کو اگلے باب میں دہرایا نہیں جاتا۔ جو لوگ قرآن حکیم کو دنیا کی عام تصنیفات و تالیفات پر قیاس کرکے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں دقت کا سامنا بھی ہوتا ہے اور ناکامی بھی

ہوتی ہے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ نہ قرآن مجید عام تصانیف و تالیفات کی مانند ہے' نہ اس کی سورتوں کی حیثیت کتاب کے ابواب کی ہے' نہ یہ مجموعۂ مضامین یا مجموعۂ مقالات کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ قرآن حکیم کا اسلوب خطبہ کا ہے اور قرآن مجید کی سورتیں گویا کہ خطباتِ الٰہیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصحف میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کو ہم "مجموعۂ خطباتِ الٰہیہ" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اب خطبہ کے اسلوب میں چند امور اس کے لازمی جزو کی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں۔ ان امور کو سمجھ لیا جائے تو قرآن حکیم کے فہم میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

پہلی بات یہ کہ جب کوئی شعلہ بیان خطیب کوئی خطبہ دے رہا ہو تو اس میں بار بار خطاب کا رخ بدلتا ہے' چنانچہ ابھی خطیب دائیں طرف مخاطب تھا اور گفتگو کر رہا تھا' پھر وہ بائیں جانب کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا' اب وہ ان سے گفتگو کر رہا ہے۔ اسی طرح اگرچہ اس کے مخاطب اس کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ ان سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے لیکن کبھی یہ گفتگو صیغۂ حاضر و خطاب میں نہیں بلکہ صیغہ غائب میں ہونے لگتی ہے' اور اس میں فصاحت و بلاغت کا ایک خاص رنگ اور تاثیر کی ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' اس کے برعکس اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ موجود نہیں ہوتے' ان کو وہ موجود اور حاضر فرض کر کے ان سے صیغہ خطاب و حاضر میں گفتگو شروع کر دیتا ہے اور دوران خطبہ یہ "تحویلِ خطاب" بار بار اور وقفہ وقفہ سے ہوتا رہتا ہے۔ مزید برآں خطبات میں عام طور پر مخاطبین کے اعتراضات کو نقل کئے بغیر اور ان کے سوالات کو بیان کئے بغیر ان کے جوابات دے دیئے جاتے ہیں' اور ان جوابات کا اسلوب و انداز ایسا ہوتا ہے کہ مخاطبین خواہ وہاں موجود ہوں خواہ نہ ہوں اور ان تک وہ باتیں بعد میں روایتاً پہنچیں' خود جان لیتے ہیں کہ یہ باتیں فلاں اعتراض کے جواب میں کہی جا رہی ہیں اور یہ تشریحات فلاں مسئلہ کی وضاحت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا گیا تھا خطبہ کے اس اسلوب و انداز کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو فہمِ قرآن میں بڑی مدد ملے گی اور اگرچہ پورے قرآن کا اسلوب یہی ہے' تاہم بعض سورتوں میں یہ بہت نمایاں ہے۔ چنانچہ خطبہ کا یہ انداز اس سورۂ مبارکہ میں نہایت شدت کے ساتھ نمایاں ہے۔ یہاں ساری

گفتگو منکرینِ قیامت سے ہو رہی ہے، کبھی صیغۂ حاضر میں ان سے براہ راست خطاب ہے، کبھی "الانسان" کے حوالے سے بصیغہ غائب گفتگو ہو رہی ہے۔ درمیان میں چند باتیں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کر کے فرما دی گئیں اور اس طرح تحویلِ خطاب کی نمایاں مثال سامنے آ گئی۔ پھر خطاب کا رخ دوبارہ منکرینِ قیامت و آخرت اور مخالفینِ بعث بعد الموت کی طرف منتقل ہو گیا۔ لہٰذا خطابت کے اسلوب و انداز کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اسلوبِ قرآنی کی نہایت اہم اور نمایاں مثال ہے۔

دوسری بات یہ کہ جیسے ایک اعلیٰ پائے کے خطیب کے ہر خطبے کا ایک مرکزی موضوع یا مرکزی خیال یا ایک عمود ہوتا ہے اور خطیب کی تمام گفتگو اس مرکزی خیال یا عمود کے گرد گھومتی ہے اور اگرچہ وہ تمہید کے طور پر یا مختلف دلائل و شواہد کے ضمن میں ایسے مباحث پر بھی اظہار خیال کرتا ہے جن کا بظاہر اس کے خطبہ کے عمود یا مرکزی مضمون سے تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن جب وہ بحث کو سمیٹتے ہوئے گفتگو کو ختم کرتا ہے تو خطبے کے تمام اجزاء اس خطبے کے مرکزی موضوع یا عمود سے مربوط نظر آتے ہیں۔ تو جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت ایک خطبۂ خداوندی کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم کی ہر سورۂ مبارکہ کا اپنا معیّن مرکزی خیال، موضوع اور عمود ہے اور نہ صرف یہ کہ پوری سورت اس مرکزی خیال یا عمود کے گرد گھومتی ہے بلکہ جس طرح ایک حسین و جمیل ہار میں ہر موتی دوسرے موتی کے ساتھ منسلک ہوتا ہے اسی طرح سورت کی تمام آیات باہم بھی مربوط ہوتی ہیں اور بحیثیتِ مجموعی سورت کے مرکزی مضمون کے ساتھ بھی ان کا ربط قائم رہتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ بھی ایک عظیم حقیقت ہے کہ مصحف جس ترتیب کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے اس میں بھی گہرا ربط موجود ہے اور اس کی تمام سورتیں بھی باہم مربوط اور ایک خاص ترتیب کے سلسلے میں منسلک ہیں۔ قرآن مجید کا ہر قاری اور ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن کی نزولی ترتیب بالکل مختلف تھی، لیکن نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے حکم اور حضرت جبرئیل کی رہنمائی میں جس ترتیب سے قرآن حکیم کو مرتّب فرمایا اور اُمّت کے حوالے کیا وہ یہی ہے جو ہمارے پاس موجود ہے اور یہ لوحِ محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے۔ گویا یہی قرآن کی ازلی و ابدی ترتیب

ہے! اس حقیقت کو اصطلاحاً ان الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے کہ مصحف کی یہ ترتیب "توقیفی" ہے' یعنی جس کا علم نبی اکرم ﷺ کے بتانے پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ مصحف کی یہ ترتیب خود آنحضور ﷺ نے اللہ کی اس ہدایت کے مطابق معین کی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے آپؐ کو دی جاتی تھی۔ اب چونکہ اللہ حکیم ہی نہیں "احکم الحاکمین" ہے لہٰذا قرآن حکیم کا ایک نہایت گہرا اور معنی خیز باطنی نظم ہے' اگرچہ قرآن کے اس داخلی نظام اور باطنی نظم کا فہم آسان کام نہیں ہے بلکہ اس کی حکمتوں کے سمجھنے کے لئے بڑے عمیق غور و خوض اور گہرے تدبّر و تفکر کی ضرورت ہے' اور اگرچہ فہمِ قرآن کے اس پہلو پر بھی الحمدللہ ہر دور میں مفید کام ہوتا رہا ہے لیکن قرآن مجید کے محاسن و عجائب' اس کے علوم و معارف اور اس کے حِکَم و عبر ایک اتھاہ سمندر کے مانند ہیں جو تا قیامِ قیامت کبھی ختم نہیں ہو گا۔ چنانچہ نظمِ قرآن کے ضمن میں بھی عہدِ حاضر کے ایک محققِ قرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ نے جن پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے ان کی جانب پہلے توجہ نہیں ہو سکی تھی اور یقیناً آئندہ بھی اس کے مزید پہلو روشن ہوتے رہیں گے' لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ جہاں تک انسانی زندگی کی عملی رہنمائی کا تعلق ہے اس کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید نہایت سہل اور آسان کتاب ہے' جیسا کہ سورۃ القمر کی چار آیات (۱۷' ۲۲' ۳۲' ۴۰) میں اللہ تعالیٰ نے بتکرار و اعادہ ارشاد فرمایا :

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾

"اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو نصیحت اخذ کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے' تو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟"

تیسری بات ابتدائی مکّی سورتوں کے مخصوص امتیازی اسلوب و انداز سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ مکّی دور کے بھی آخری حصّے میں جو سورتیں نازل ہوئیں' ان کا اسلوب ابتدائی مکّیات سے مختلف اور مدنی سورتوں کے اسلوب سے مشابہ ہے اگرچہ ظاہر ہے کہ یہ "رنگِ دگر" زیادہ پختگی اور گہرائی کے ساتھ مدنی سورتوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ ابتدائی مکّیات اور بعد کی سورتوں کے مابین جو فرق و تفاوت ہے' اس کو یوں سمجھئے کہ ابتدائی مکی سورتوں میں خطابت کا رنگ اور انداز نہایت نمایاں اور بہت گہرا ہے۔ چنانچہ

ان میں جوش و خروش بھی زیادہ ہے اور زجر و توبیخ اور انذار و تنبیہ بھی اس انداز کی حامل ہے جس کی بابت حالی نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے کہ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

چنانچہ اس کا کسی قدر اندازہ سورۂ قیامہ کے ترجمے ہی سے ہو جاتا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شعلہ بیان خطیب نہایت پر جلال اور پر ہیبت انداز میں خطبہ دے رہا ہے۔

ابتدائی مکی سورتوں کا ایک دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ ان کی آیات چھوٹی چھوٹی ہیں' جبکہ بعد کی مکیات اور تقریباً تمام مدنی سورتوں میں آیات کا طول اور حجم مقابلتاً بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ ہم ایک فوری تقابل کر سکتے ہیں۔ یہ سورۂ قیامہ ہے جو ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے جس کا ہم فی الوقت مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس سے متصلاً قبل ہم نے سورۂ تغابن کا مطالعہ مکمل کیا ہے جو مدنی سورت ہے' وہ بھی دو رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس سورۂ قیامہ کے بھی دو رکوع ہیں۔ مصحف میں اگر آپ ان دونوں کے حجم کا تقابل کریں گے تو سورۂ قیامہ' سورۂ تغابن کے تین چوتھائی سے بھی کم ہے' لیکن سورۂ تغابن کی آیات کی تعداد اٹھارہ ہے اور سورۂ قیامہ کی آیات کی تعداد چالیس ہے۔ مزید برآں اکثر ابتدائی مکی سورتوں میں غنائیت اور ترنم بھی پایا جاتا۔ چنانچہ ان میں قوافی کا لحاظ بھی نمایاں ہے اور بہاؤ بھی تیز ہوتا ہے۔ اس طرح ایک جانب جوش و خروش اور دوسری جانب تیزی و روانی' ان دونوں کے امتزاج سے زبردست اثر انگیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تمام اوصاف ابتدائی مکی سورتوں میں بہت نمایاں ہیں جبکہ آخری دور کی مکیات اور بالخصوص مدنی سورتوں میں چند استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر آپ ایک مختلف انداز اور رنگ پائیں گے' چنانچہ ان میں آیات بھی طویل ہو گئی ہیں' بہاؤ بھی تیز نہیں ہے بلکہ مضمون بڑے پر سکون انداز میں بالکل ایسے آگے بڑھتا ہے جیسے کوئی دریا بہہ رہا ہو۔ آیات کی طوالت کے باعث عام طور پر ان میں قوافی (فواصل) اور صوتی آہنگ کا بھی اتنا اہتمام نہیں رہتا جو ابتدائی مکیات کا خصوصی وصف ہے۔

سورۂ قیامہ کے حوالے سے قرآن حکیم کے عظیم معجزہ ہونے کا ایک یہ پہلو بھی

باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ فصاحت وبلاغت کی معراج اور عربی زبان وادب کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ قرآن مجید کا عربی زبان پر یہ عظیم احسان تو بالکل ظاہروباہر ہے کہ مختلف علاقائی "بولیوں" سے قطع نظر ادبی اور کتابی عربی کی روایت کا تسلسل اسی کے دم سے قائم ودائم ہے' اور اس طرح قرآن حکیم عربی زبان کو گویا ایک ستون کی مانند تھامے ہوئے ہے۔ چنانچہ اب بھی عربی ادب میں قرآن مجید کو بالکل وہی مقام حاصل ہے جو اس کے نزول کے وقت تھا' اور اس کی بنیاد کسی مذہبی عقیدے یا عصبیت پر قائم نہیں ہے' اس لئے کہ کثیر تعداد میں ایسے یہود و نصاریٰ آج بھی موجود ہیں جن کی مادری زبان عربی ہے اور اس کے باوجود کہ وہ قرآن حکیم کے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے لیکن بایں ہمہ وہ بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کی معراج اور عربی ادب کا شاہکار ہے اور قرآن مجید کے اس وصف کے بارے میں ان کو بھی کوئی اشتباہ نہیں ہے' اور اگرچہ یہ بات تو بہت تفصیل طلب ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے کہ قرآن حکیم کے اعجاز کے کون کون سے رخ اور کون کون سے پہلو ہیں اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے معانی' اس کے مطالب' اس کے مفاہیم' اس کا طرز استدلال' اس کی اثرانگیزی' اس کی علمی رہنمائی' اس کی روحانی و اخلاقی تعلیم' پھر انسان کے پیچیدہ ترین عمرانی اور تمدنی مسائل کا جو متوازن و معتدل حل یہ پیش کرتا ہے اور انسانی زندگی کے لئے جو کامل اور عدل وقسط پر مبنی دستور یہ عطا فرماتا ہے وہ سب اپنی جگہ اعجاز قرآنی کے اہم اور عظیم مظہر ہیں اور جیسے جیسے زمانہ گزرے گا اور نئے نئے حالات و واقعات سامنے آئیں گے اعجاز قرآنی کے یہ پہلو مزید اجاگر ہوں گے' لیکن اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت اس کے اعجاز کا جو پہلو سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا تھا وہ ہے اس کا اسلوب' ادبیت' خطابت' فصاحت' بلاغت' سلاست' حلاوت' تروتازگی' چاشنی اور اس کا جوش و خروش! ـــــ اور اس کے یہ تمام محاسن تاحال اسی طرح آفتابِ عالم تاب کی مانند قائم ہیں اور بحمد اللہ قرآن حکیم کے بارے میں ہر صاحبِ ذوق جانتا ہے کہ آج بھی نبی اکرم ﷺ کے یہ ارشادات صد فیصد درست اور ہر شائبہ شک سے پاک ہیں کہ : ((لَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ، وَلَا

یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ' وَلَا تَنْقَضِی عَجَائِبُہٗ)) یعنی "اہل علم اس سے کبھی سیر نہ ہو سکیں گے' اور اس پر کبھی باسی پن طاری نہیں ہو گا' نہ کثرت و تکرارِ تلاوت سے اس کے لطف اور اثر انگیزی میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات یعنی نئے نئے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم ہو گا"۔ گویا یہ قرآن مجید اور فرقان حمید ہمیشہ اسی طرح تابندہ' پائندہ اور تر و تازہ کلام رہے گا جس طرح اپنے نزول کے وقت تھا اور اگرچہ قرآن مجید کے یہ ادبی محاسن اس کے ایک ایک لفظ میں نمایاں ہیں لیکن ان کا جس شدت کے ساتھ ظہور ابتدائی مکی سورتوں میں ہوا ہے اس کا ادراک اور شعور تو ہم غیر عرب عامیوں کو بھی بہت حد تک ہو جاتا ہے' اور چونکہ سورۃ القیامہ اس کی ایک نہایت نمایاں مثال ہے لہٰذا اس سورۂ مبارکہ کے ضمن میں اس تمہیدی گفتگو میں قرآن حکیم کے عمومی اسلوب اور بالخصوص ابتدائی مکی سورتوں اور بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے مابین انداز اور اسلوب کے فرق کی جانب یہ اشارات کر دیئے گئے۔ اب ہم اس سورۂ مبارکہ کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ (جاری ہے)

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Annual Subscription in Pakistan: Rs. 100/-
Price per issue: Rs. 30/-

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore
36-K. Model Town. Lahore-54700 Phone: 5869501-3; Fax: 5834000
E-Mail: anjuman@brain.net.pk